خاندانی زندگی کے قرآنی اسلوب کے سنہری اصول

علی حسن شگری*

خلاصہ

قرآن کریم انسانی فکر و نظر اور علم و عمل کے تمام پہلوؤں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کی نظر میں مثالی انسانی معاشرہ وہ ہے جس میں تمام اخلاقی اقدار موجود ہوں۔ چونکہ معاشرہ خاندانی نظام حیات سے جڑا ہوا ہے۔ اس لیے جب تک خاندان میں اچھی اقدار و روایات موجود نہ ہوں تب تک مطلوبہ اور معیاری معاشرہ کا قیام خارج از امکان ہے۔ معاشرے میں خاندان کی اہمیت کے پیش نظر اللہ نے قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کرامؑ کے خاندانی صورت حال کو مفصل بیان کیا ہے تاکہ لوگوں میں خاندان اور اجتماعی عبادات و معاملات کی اہمیت کا شعور بیدار ہو جائے۔ قرآن مجید نے نہ صرف انبیاء کرامؑ کے خاندانی مشکلات اور در پیش مسائل کو بیان کیا ہے بلکہ انھوں نے جن سختیوں اور پریشانیوں کا جس حکمت عملی سے مقابلہ کیا ہے اس کو بھی بیان کیا ہے۔ تاکہ اہل دانش و بینش ان داستانوں سے نصیحت حاصل کر سکیں اور عملی زندگی میں آنے والی مشکلات اور مسائل کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اس تحقیق میں یہ کوشش ہو گی کہ قرآن مجید میں مذکور انبیا کی داستانوں کی روشنی میں مثالی خاندان کا قیام، خاندان کو در پیش مسائل اور ان کے اسباب و عوامل اور ان مسائل کے حل پر مبنی قرآنی تجاویز کو پیش کیا جائے تاکہ آئندہ آنے والے مسائل اور مشکلات کا بر وقت سد باب کیا جاسکے۔

کلیدی الفاظ: خاندان، زندگی، قرآن، مسائل، اسلوبِ حیات

* ڈائریکٹر آف ریسرچ ڈیپارٹمنٹ المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی کراچی کیمپس

مقدمہ

کیاابن آدم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے اسے یونہی بیکار پیدا کر دیا[1]۔ نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے حیاتِ مستعار کے چند لمحے عطا کیے ہیں کہ اس میں کون میرے احکامات اور مسنون طریقے کے مطابق زندگی گزار کر جنۃ النعیم کا وارث اور کون خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن کر آتا ہے۔

آج تک ہمارے روشن خیال طبقے کی خیالی روشنی اس کو ''روشن''نہ کر سکی۔ کہ صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ہی دنیاو آخرت کی کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات اور اقدار کو ضرورت کا درجہ بھی نہ دیاہم بظاہر مسلمان ضرور ہیں لیکن صرف کردار میں

- وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود - یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود -

لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ وہ برصغیر کے باشندوں کی شکل کو نہ بدل سکا تو ذہن ضرور بدل دے گا شکل سے تو برصغیر کا باشندہ نظر آئے گا لیکن اس کا ذہن فرنگی افکار کا ترجمان ہو گا۔ دور حاضر میں یہ خطرات دوچند ہو گیے ہیں باطل کی سب سے بڑی یلغار تعلیمات اسلامیہ کو محو کرنے کے لیے مختلف حربے بروئے کار لاے جارہے ہیں ۔ تعلیمی ادارے ہوں یا میڈیا پر نشر ہونے والے پروگرامز سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعے نشر کئے جانے والے مواد نے تو مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو اس طرح مسخر کیا ہے کہ آج خود بیزاری، ذہنی آوارگی، آزاد خیالی، فحاشی و بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل بد قسمتی سے فتنوں کے منہ زور سیلاب میں ڈوبتی ہی چلی جارہی ہے ۔ ایسے وقت میں جب ''مسلمان'' اپنے بنیادی عقائد اور خاندانی اور معاشرتی اقدار سے بے بہرہ ہو چکا ہو، اس کی زندگی سے سنت کی بہاریں روٹھ چلی ہوں، اخلاقیات کا جنازہ اٹھ چکا ہو، ادب اور علم نام کی چیز بھی ناپید ہو چکی ہو تو ضروری ہے اس کی فکر پہلے سے بھی زیادہ کی جائے۔

انسان مدنی الطبع ہے تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، اسی لیے انسان خاندانی اور معاشرتی نظام کے تحت زندگی گزارتا ہے یہ نظام صدیوں سے رائج ہے۔ اس نظام کے تحت انسان کسی معاشرے میں رہنے کے لیے معاشرے میں تعلقات استوار کرتا ہے۔ اپنا ایک الگ گھر بناتا ہے اور پھر اس گھر کا منتظم بن کر گھر کے نظام کو بہترین طریقے سے چلانے کی کوشش کرتا ہے۔

[1] أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا

اس نظام کو خاندان کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی بھی انسان کے قریبی اور خونی رشتے دار شامل ہو سکتے ہیں۔ خاندان کا سربراہ عموماً سب سے بزرگ یا سب سے بڑا انسان ہوتا ہے۔ اگر انسان کامیاب منظم خاندانی نظام کو نافذ کر سکے تو وہ انسان دنیا و آخرت میں کامیاب انسان ہو گا۔ چونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جیسا کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے: الدنیا مزرعة الآخرة جو انسان اس دنیا میں بوئے گا آخرت میں کاٹے گا لہذا انسان کو اس جہاں میں مطلوب و اچھی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آجانا چاہیے تاکہ دونوں جہاں میں بہترین زندگی بسر کر سکے۔ اللہ نے زندگی بسر کرنے کے سلیقے اور طریقے کو سکھانے کے لیے انبیاء بھیجے اور انہوں نے خاندانی زندگی گزار کر اس کے تقاضے پورے کیے ہیں جسے اللہ نے یوں بیان فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً [2] تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا۔

> اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں یوں بیان فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [۳] عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

بہترین زندگی بسر کرنے کے کچھ قرآنی سنہرے اصول جو مطلوبہ (جو زندگی میں موجود ہوں) و غیر مطلوبہ (وہ چیزین جس سے دور رہنا ضروری ہے) امور پر مشتمل ہیں بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

خاندانی زندگی کے قرآنی اسلوب کے سنہری اصول

پہلا اصول : خدا پر ایمان

توحید اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ ہے، جو کہ انسان کی انفرادی، اجتماعی و معاشرتی زندگی پر بہت سے اثرات مرتب کرتا ہے۔ عقیدہ توحید کے مطابق صرف خدا کے سامنے جھکنا اور عاجزی کرنا اور اسی کو ہی سرچشمہ خیر سمجھنا اور ہر خیر شر پر قادر سمجھنا ہے اس عقیدہ کی بنیاد پر انسان در در کی ٹھوکریں کھانے اور بندوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے سے بچ جاتا ہے۔

۲۔ الرعد: ۳۸

۳۔ البقرة: ۲۲۸

وہ اللہ کو کائنات کا مالک، خالق و منتظم جانتا ہے جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے اور اس کا حکم اس میں جاری و ساری ہے۔ زندگی اور موت، نفع و نقصان، عزت و ذلت، خوش بختی اور بد بختی سب کچھ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کے سوا کسی کو اختیار اور طاقت نہیں جو ان چیزوں میں ذرا بھی تصرف کر سکے۔ توحید افعالی کی بنا پر کائنات میں کوئی موجود مؤثر ہونے اور کسی کام کے انجام دینے میں کسی قسم کی تاثیر نہیں رکھتا ہے مگر صرف وہ وسیلہ اور قدرت مؤثر ہو سکتا ہے جسے خدا نے قدرت دی ہو۔ تمام افعال ، حرکات، مؤثر ہونا یا متاثر ہونا خدا کی طرف ہی منتہی ہوتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنی ذات میں کوئی شریک نہیں رکھتا ہے اسی طرح خالقیت، ربوبیت، مالکیت اور حاکمیت تکوینی کی فاعلیت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

توحید افعالی علیت اور معلولیت کے قانون یا اسباب کے مؤثر ہونے کی نفی نہیں ہے۔ شیعہ نکتہ نگاہ کے مطابق توحید افعالی کا یہ معنی نہیں ہے کہ خداوند مستقیم اور کسی واسطے کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرتا ہے اور تمام علل اور اسباب کی جگہ خود لیتا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز ایجاد میں کسی چیز کی محتاج ہوتی ہے خدا اس سبب کو ایجاد اور خلق کرتا ہے وہ اس کام میں اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

جب مومن کے اندر یہ عقیدہ رچ بس جاتا ہے تو وہ غیر خدا سے نہ ڈرتا ہے نہ اس سے امید رکھتا ہے۔ اس کے اندر اعلیٰ ظرفی اور کشادہ دلی پیدا ہوتی ہے اور کم ظرفی، اور تنگ نظری سے وہ بچتا ہے۔ مومن کائنات کی وسعتوں کو دیکھتا ہے اور پھر اللہ کی صفات خلاقیت اور ربوبیت کا تصور کرتا ہے تو اس کے اندر اُمید کی کِرن پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مشرک مادی طاقتوں سے خوف زدہ ہوتا ہے، توہمات کا شکار ہوتا ہے۔ بزدلی اور احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اس کے اثرات اس کے زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی مرتب ہوتے ہیں۔

عقیدہ توحید کے انسانی زندگی پر مرتب اثرات

(۱) اطمینانِ قلب و روح

جب انسان اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ اس کا معبود ایک ہے، رازق ایک ہے اور وہ تمام اشیائے عالم پر قدرت رکھتا ہے تو وہ یکسوئی کے ساتھ اسی ایک معبود کی عبادت کرتا ہے ۔ اس خالص بندگی سے اسے جو امید اور اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے وہ اسے زندگی کی شاہراہ پر رواں رکھتا ہے اور وہ آسانی سے اپنی زندگی کی منشاء پالیتا ہے۔

(۲) خودداری

معبود واحد کا یقین انسانی شخصیت میں خودداری پیدا کرتا ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس کا پالنے والا اللہ ہے اس لئے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عزت افروز زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ :فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنيفاً فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْها لا تَبْديلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَ لكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ [1]

> آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے یقینا یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔

(۳) پاکیزگی نفس

عقیدہ توحید پر پختہ یقین انسان کو اپنے نفس کی حفاظت پر آمادہ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی پاکیزگی کو بڑھانے کے لئے اللہ تعالی کے احکامات کی پیروی کرتا ہے اور قربِ الٰہی کی بدولت اپنے نفس کی پاکیزگی و تقوی کے اضافے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

(۴) بہادری

جب انسان اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ وہ ایک اللہ کا بندہ ہے اور وہی اللہ اس کی حفاظت کر رہا ہے تو اس میں بہادری اور جانثاری کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور مرد مومن میدانِ عمل میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

(۵)آزادی

اگر انسان خلق خدا میں سے کسی شیٔ کو اپنا خدا ماننے لگ جائے تو یہ شرک کہلائے گا اور بدترین ذہنی غلامی کی صورت قرار پائے گی۔ عقیدۂ توحید انسان پر پہلا اثر یہ ڈالتا ہے کہ اس کو ذہنی غلامی سے آزاد کراتا ہے اور مخلوق کے سامنے عاجزی و بے بسی کے اظہار سے روکتا ہے اور صرف خدائے حقیقی سے خوف و امید کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں رسول کی جو منصبی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں ان میں قوموں کو بے جا عقائد اور توہمات کی بندشوں اور جکڑ بندیوں سے آزادی دلانا بھی ہے۔

ا۔ الروم۔ ۳۰

ارشاد ہے: يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔[1]

وہ نبیؐ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے۔ بدی سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

(۶) صفات حسنہ کا ظہور

اللہ تعالیٰ عظیم صفات والا ہے۔ جب انسان اللہ پر اس کی صفات کے ساتھ ایمان لے آتا ہے تو اس کے اندر سے اخلاق و کردار کا چشمہ پھوٹتا ہے اور وہ اپنے کو خدائی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اگر خدا رحمت والا اور مہربان ہے تو وہ بھی دوسروں پر رحم کرنے والا اور مہربان کرنے والا ہو۔ خدا سخی ہے تو سخاوت اس کے اندر بھی ہو، خدا خلق کا ہمدرد ہے تو مخلوق سے ہمدردی کا جذبہ اس کے اندر بھی ہو، خدا سچائی کو پسند کرتا ہے تو صدق و سچائی اس کا وصف بنے۔ خدا گناہگاروں کو معاف کرتا ہے تو وہ بھی انسانوں کی غلطیوں کو نظرانداز کرنے والا بنے غرض کہ خدا پر ایمان اور اس سے تعلق کردار واخلاق کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

(۷) شجاعت وسعت نظر

توحید کا ماننے والا مومن شجاع بن جاتا ہے چونکہ اس کی زندگی کا مقصد صرف خشنودی خدا ہوتا ہے اور اپنا جینا مرنا اور اپنے زندگی کے تمام امور میں فنا فی اللہ کی منزل پر ہوتا ہے مومن ساز و سامان، تیر و تلوار سے زیادہ خدا پر بروسہ کرتا ہے اور طاغوت سے مرعوب ہونے کے بجائے طاغوت سے ٹکرا جاتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا - مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا: سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا [2] ہم کافروں کے دلوں میں خوف وہراس ڈال دیں گے کیوں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کچھ ہستیوں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ اللہ نے ان کے شریک ہونے کی کوئی سند نہیں اُتاری۔

۱۔ الاعراف: ۱۵۷

۲۔ آل عمران: ۱۵۱

(۸)خدا پر توکل

جب انسان توحید پر ایمان رکھتا ہے تو صرف خدا پر توکل کرتا ہے۔ توکل کے معنی اپنے معاملات کو دوسرے کے سپرد کرنے یا کسی پر مکمل اعتماد کرنے کے معنٰی ہے۔[1] شرعی اصطلاح میں اس یقین کے ساتھ اسباب اختیار کرنا کہ دنیاوی واخروی تمام معاملات میں نفع ونقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اپنے وجود اور بقا میں اللہ کا محتاج ہے۔ یعنی یہ یقین رکھے مومن باللہ اسباب اور تدابیر ،اختیار ضرور کرتا ہے کیوں کہ یہ اللہ کا حکم ہے مگر اس کا اصل بھروسہ اور اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ہی ہوتا ہے۔قرآن مجید میں توکل کے بارے میں تاکید کی ہے جیسے کہ اللہ کا فرمان وَعَلَى الله فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ - اوراللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرناچاہیئے ۔

(۹)مساوات کا قیام

وحدت الٰہ وحدت انسانیت کا تصور بھی پیدا کرتا ہے یعنی اس پوری کائنات کا تنہا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ عقیدۂ توحید نہ صرف خدا کے بارے میں انسان کو متحد کرتا ہے بلکہ سارے انسانوں کو اولاد آدم قرار دیتا ہے اور سب کا احترام کرتا ہے۔انسان برابر اور مساوی حیثیت کے حامل ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔رنگ ونسل اور جغرافیہ اور خطہ کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا - [2] لوگو!ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہنچانو۔

(۱۰)امیدوار

خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا شیوہ ہے مومن مصیبت، دکھ، درد، پریشانی، بیماریوں کی تکالیف، مفلسی وتنگ دستی کی شدّت ناامیدی اور مایوسی کے بجائے ہر حال میں خدا کی رحمت سے امید رکھتا ہے اوران تمام پریشانیوں کے ساتھ خدا پر اعتماد کرتے ہوئے اس عقیدہ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ خداوند ایک نہ

۱۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، مصطفوی، حسن ج ۱۳، ص: ۲۱۲

۲۔الحجرات: ۱۳

ایک دن کامیابی عطا کرے گا اور جو دل غم سے پھٹ رہا تھا خشیوں سے بھر جائے گا۔ وہ خدا سے لو لگائے بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ خدا مومن سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ-[1] جب میرے بندے میرے متعلق آپ سے سوال کریں تو بتا دیجیے کہ میں قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انھیں بھی چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ امید ہے وہ ہدایت پائیں گے۔

دوسرا اصول : تقویٰ

پر مسرت اور خوشگوار ازدواجی اور خاندانی زندگی گزارنے کے لیے تقویٰ کی مضبوط عمارت ضروری ہے۔ انسان کو لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ مختلف معاملات انجام دیتے ہوئے بھی یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، خاص طور پر خاندان کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے لمحہ لمحہ کے ساتھی ہوتے ہیں اور ان کی رفاقت میں بے شمار اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ بہت سی ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں اور ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انسان کا نفس اسے ان ناگواریوں کے جواب میں ناانصافیوں پر ابھارتا ہے، ایسے موقع پر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اگر یہ احساس ایسے وقت دل میں جاگزیں نہ ہو تو عموماً اس کا نتیجہ ناانصافی اور حق تلفی، ظلم، انتقام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن قرانی خاندانی نظام کی بنیاد تقویٰ پر ہے قرآن نے اس بات کو یوں بیان کیا

أَ فَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَنَهُ عَلىَ تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَ رِضْوَانٍ خَيرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَنَهُ عَلىَ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانهَارَ بِهِ فىِ نَارِ جَهَنَّمَ وَ اللَّهُ لَا يهْدِى الْقَوْمَ الظَّلِمِينَ -[2]

ا۔ البقرہ: ۱۸۶

۲۔ توبہ۔۱۰۹

بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضا طلبی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو، چنانچہ وہ (عمارت) اسے لے کر آتش جہنم میں جا گرے؟ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

قرآن مجید کی ایک آیت میں شوہر کے لیے بیوی کو سکون کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے[1] کہ میاں بیوی کے درمیان اصل رشتہ دوستی اور محبت کا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں۔

بلکہ وہ تقویٰ کے سایہ میں پلی ہوئی پائیدار محبت ہو، جو خود غرضی سے پاک اور ایثار، وفا اور خیر خواہی کے سدا بہار جذبات سے مزین ہوتی ہے اور جسم سے گزر کر واقعی قلب و روح کی گہرائیوں تک سرایت کر جاتی ہے۔

صحیح و سالم اجتماعی زندگی وہی ہے کہ افراد ایک دوسرے کے لئے قوانین حدود اور حقوق کا احترام کریں۔ عدل وانصاف کو ایک مقدس امر جانیں ایک دوسرے سے مہر و محبت سے پیش آئیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کریں جسے خود نہیں چاہتے اسے دوسروں کے لئے بھی نہ چاہیں ایک دوسرے پر اعتماد کریں اور دوسروں کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاییں

حضرت علیؑ نے متقی افراد کی صفات کو یوں بیان فرمایا ہے:

فالمتقون فيها هم اهل الفضائل :منطقهم الصواب ، وملبسهم الاقتصاد ، ومشيهم التواضع .غضوا ابصارهم
عما حرم الله عليهم ، ووقفوا اسماعهم على العلم النافع لهم . نزلت انفسهم منهم فى البلاء كالتى نزلت فى الرخاء
قلوبهم محزونة ، وشرورهم مامونة ، واجسادهم نحيفة ، وحاجاتهم خفيفة ، وانفسهم عفيفة صبروا اياما قصيرة اعقبتهم راحة طوايلة . تجارة مربحة يسرهالهم ربهم-[2]

۱۔ الروم:۲۱
۲۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ نمبر ۱۹۳

اس دنیا میں متقی افراد وہ ہیں جو صاحبان فضائل و کمالات ہوتے ہیں کہ ان کی گفتگو حق و صواب، ان کا لباس معتدل، ان کی رفتار متواضع ہوتی ہے۔

جن چیزوں کو پروردگا نے حرام قرار دے دیا ہے ان سے نظروں کو نیچا رکھتے ہیں اور اپنے کانوں کو ان کے نفوس بلاء و آزمائش میں ایسے ہی رہتے ہیں جیسے راحت و آرام میں۔

ان کے دل نیکیوں کے خزانے ہیں اور ان سے شر کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان کے جسم نحیف اور لاغر اور ان کی ضروریات نہایت درجہ مختصر اور ان کے نفوس بھی طیب و طاہر ہیں۔

خاندانی زندگی پر تقوی کے اثرات

تقویٰ انسانی زندگی کا شرف ہے۔ یہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے ذریعے علم، روحانی ترقی، کامرانیاں اور قرب الٰہی کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ تقویٰ کے ذریعے خیر و برکت، اجر و ثواب، نیک بختی اور سعادت مندی کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

۱) تقویٰ محبت خدا کے حصول کا زریعہ

خداوند عہد کو پورا کرنے والوں اور متقی سے محبت کرتا ہے اللہ نے اس کو کو یوں اشارہ کیا ہے۔

بَلی مَنْ أَوْفی بِعَهْدِهِ وَ اتَّقی فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقين-[۱]

۲) ناگھانی خطرات سے بچنے کا سبب

قرآن نے اہل تقویٰ کو نجات یافتہ اور اپنے مطلوب کو حاصل کرنے والے اور ہر غم و الم سے آزاد ہونے کی ضمانت دی ہے جیسا کہ اس آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

وَ يُنَجِّي اللَّهُ الَّذينَ اتَّقَوْا بِمَفازَتِهِمْ لا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَ لا هُمْ يَحْزَنُون-[۲]

۳) شیطان پر غلبہ پانے کے لیے روحانی قوت کا حصول

اللہ تعالیٰ متقی کو شیطان پر غلبہ پانے کے لیے روحانی قوت بھم پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ آل عمران-۷۶

۲۔ الزمر: ۶۱

اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ [1]

۴) رزق کی کشادگی اور خیر و برکت کا حصول

قرآن نے تقویٰ کو بستوں کی آبادانی اور رزق کی فروانی کے بہترین میں ایک قرار دیا ہے ۔درجہ ذیل آیت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

وَ لَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰۤى اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ [2]

۵)عزت دار ہونا

قرآن مجید نے تمام انسانوں کو خلقت کے اعتبار سے برابر قرار دیا لیکن عزت واکرام کی لائق ان افراد کو سمجھا جو اہل تقویٰ ہیں۔

يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْناكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثى‏ وَ جَعَلْناكُمْ شُعُوباً وَ قَبائِلَ لِتَعارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَليمٌ خَبيرٌ [3]

۶)کامیابی کی ضمانت

کامیابی کی کنجی صرف تقویٰ ہے اللہ نے اس بات کا اعلان یوں فرمایا

اوَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اور اللہ سے ڈرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ [4]

۷) بابصیرت اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ

تقویٰ اختیار کرنے والوں کو نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹادیتا ہے قرآن کی آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۔[1]

۱۔الاعراف۔ ۲۰۱

۲۔الاعراف۔ ۹۶

۳۔الحجرات۔ ۱۳

۴۔البقرہ۔ ۱۳۰

۸) **زندگی کا خاتمہ ایمان پر ہوگا**

انسان کی زندگی کا خاتمہ ایمان پر ہونا انسان کی اصل کامیابی ہے، یہ کامیابی تقویٰ کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔[۲]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہا کرو۔ وہ تمہارے کاموں کی اصلاح کردے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔

9) دشمن کے مکر سے بچاؤ

تقویٰ دشمن کے شر اور سازشوں سے محفوظ رہنے کا ساماں ہے

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا ۔[۳]

۱۱) **متقی اللہ کے سواسب سے بے نیاز ہوتا ہے**

وَمَنْ یَّتَّقِ اللہَ یَجْعَلْ لَّہ مَخْرَجًا وَّ یَرْ زُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسْبُہ ۔[۴]

تیسرا اصول: توکل اور خدا سے پرامید ہونا

مایوسی کو گلے نہ لگائیں زندگی میں بسا اوقات انسان سخت مشکل میں پھنس جاتا ہے یا اس سے ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ مایوسی اور قلق واضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ ایک فطری چیز ہے لیکن یہاں مایوسی کا شکار ہو کر ہم غلطی کر جاتے ہیں، ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے، گناہ یا مشکل خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو آپ اسے قبول کریں، تسلیم کریں کہ آپ سے غلطی ہوئی ہے اور اللہ سے دعا کریں پھر دیکھیں

۱۔ الانفال۔ ۲۹

۲۔ ال عمران: ۱۰۲

۳۔ ال عمران۔ ۱۲۰

۴۔ الطلاق ۲۔۳

کہ وہ لمحوں میں کس طرح آپ کو مایوسیوں بھرے دلدل سے نکال لے گا اور کیوں
نہ ہو یہ تو اس کا وعدہ ہے اور وہ ہر گز وعدہ خلافی نہیں کرتا
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ

توکل کے ثمرات

اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ واعتماد پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا کارساز بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے نتائج کو اسی کے حوالہ کر دینے کا نام "توکل" ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [1]

ان اسباب کے نتائج اور ان پیش قدمیوں کی ثمر آوری کو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس کے سپرد کر دیتا ہے کیونکہ اسی ذات اقدس کے ماسوا کوئی اس چیز پر قادر ہے۔

لہٰذا مسلمان کے نزدیک توکل، عمل اور امل (امید) کا نام ہے جس کی بناء پر اس کے قلب میں سکون و اطمینان اور یہ پختہ عزم وعقیدہ اجاگر ہو جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہو، وہی ہو گا اور جو وہ نہ چاہے، وہ کبھی نہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ محسنین کے عمدہ اعمال کے اجر وثواب کو ضائع نہ کرے گا۔

نتائج کے حصول اور اپنی مرغوبات میں کامیابی کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۔[2]

پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

بندہ، خود اپنی ذات کے تئیں کسی بھی شئی کا مالک ومختار نہیں اور سارے امور اول وآخر صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہیں: "اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسے ہی توکل بھروسہ کرو جیسا کہ اس پر توکل (بھروسہ) کرنے کا حق ہے، تو وہ تم کو ایسے رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔[3] توکل کے تئیں یہ حدیث ایک عظیم اصول کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ سورۃ المائدہ، ۱۱

۲۔ ھود، ۱۲۳

۳۔ سنن ابن ماجہ، ح ۴۱۶۴

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۔[1]

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

انسان یوں خدا پر اعتماد کریں کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل خدا ہمارے لیے کافی اور وہی ہمارا وکیل اور کفیل ہے جو ہمیں کہیں تنہا بے یار و مدگار نہ چھوڑے گا اور ہماری دستگیری کرے گا۔ اس کا یہ معنی نہیں کی انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں بلکہ خدا پر توکل کرتے ہوئے کوشش کرنا چاہیئے تاکہ خاطر خواہ نتیجہ نکل سکے۔ سستی و کاہلی ہر کام کے لئے نقصان دہ ہے، جس کام کو جو وقت آپ نے یا قدرت نے مقرر کیا ہے وہ کام اسی مقررہ وقت پر کرنے کی کوشش کریں۔ با مقصد انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو اسے اس دنیا میں آنے کے مقصد پر بھی نگاہ رکھیں، انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور موت و حیات کی تخلیق کا مقصد عمل کے اعتبار سے لوگوں کی آزمائش ہے... ہماری بھی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم اپنی تخلیق اور دنیا میں آنے کے مقصد کو اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

چوتھا اصول: حسن اخلاق

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم کردہ اخلاقِ حسنہ کا مقصد اسی سیرت و کردار کو پیدا کرنا اور پروان چڑھانا ہے۔ قرآن و حدیث کے تعلیم کردہ اخلاقِ حسنہ کا مقصد اسی سیرت و کردار کو پروان چڑھانا ہے۔ قرآن و حدیث میں جن منفی صفات و اخلاق (مثلاً تکبّر، ظلم، سنگدلی، جھوٹ، غصہ، فحش گوئی اور بد زبانی، غیبت، چغلخوری، حسد، عیب چینی، بخل، خیانت، نفاق، فریب، بزدلی، کینہ پروری اور بدخواہی وغیرہ) سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان کا مقصود بھی دراصل مومن کے اندر اخلاقِ فاضلہ ہی کی تکمیل اور افزائش

۱۔ الطلاق: ۳

ہے اور ان سے بچنا اسی لئے ضروری ہے کہ ایک مومن کے حقیقی کردار اور اخلاقی مرتبہ و مقام کے ساتھ ان رذائل کی کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

اخلاق کے گوشے

۱) نرم مزاجی

نرم مزاجی اور بخشش و کرم بہترین زندگی بسر کرنے کے وہ چابیاں ہے جن کی بدولت بڑے سا بڑے اختلافات کا سدباب کیا جاسکتا ہے اور معاشرے کے افراد شیر و شکر ہو کر رہ سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ کی نرم مزاجی کو اللہ نے اسلام کی کامیابی کی اصل وجہ قرار دیا۔

فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَليظَ الْقَلْبِ لاَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ [۱]

پیغمبر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے لہذا اب انہیں معاف کردو۔ ان کے لئے استغفار کرو۔

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا [۲]

تم میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي [۳]

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بڑھ کر اچھا ہوں۔

اخلاق دراصل زندگی کے طریقے، سلیقے اور قرینے کا نام ہے اور اسی کی تعلیم و تربیت در حقیقت دین حقیقی کا مقصود ہے، ہمیں زندگی کا وہی سلیقہ اور قرینہ مطلوب ہے جو خدا نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے ہمیں سکھایا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ :

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاق

میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

۱۔ آل عمران، ۱۵۹

۲۔ بخاری، ۳۵۵۹

۳۔ مشکوۃ، ص ۲۸۱

حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ :

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ۔ [1]

مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حسن اخلاق کے حامل شخص کی ان الفاظ میں تعریف و تحسین کی ہے۔

ان من خیارکم احسنکم اخلاقا۔[2]

تم میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

۳) دوسرے کو حقیر نہ جاننا۔

معاشرتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھنااور مدمقابل کو حقیر سمجھنا ہے اگر انسان دوسرے کی عزّت کرے اور ادّب سے پیش آئے تو وہ معاشرہ ہنستا کھلِتا معاشرہ بنے گا۔ اسی بات کو

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَو اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ[3]

کسی نیکی کے کام کو حقیر مت سمجھو، خواہ وہ یہی کیوں نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کو ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔

3) سلام واحوال پرسی

اسی طرح سلام سے آغازِ ملاقات و گفتگو کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ :اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ تَحَابُّوْا[4] '' اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔''

پانچواں اصول: تواضع فروتنی

دین اسلام خوبیوں کا مرقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ماننے والے بھی بے پناہ خوبیوں اور صفات سے مزین ہو جاتے ہیں۔ ان اعلیٰ اور پسندیدہ صفات میں ایک بڑی خوبی کسی شخص کا متواضع ہونا بھی ہے۔

۱۔ ابوداؤد ۴۶۸۲، ترمذی ۱۱۶۲

۲۔ بخاری، ۳۵۵۹

۳۔ صحیح مسلم، ح ۶۶۹۰

۴۔ صحیح الجامع: ۱۰۸۶.

یہ بات طے شدہ ہے کہ متواضع انسان سے ہر کوئی محبت کرتا ہے۔ اس کے برعکس متکبر شخص معاشرے میں برا اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.[1]

"اور آپ کندھے کو ان مومنوں کے لیے جھکا دیجیے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے"۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی.[2]

"پس تم اپنے آپ کو بڑا پاک وصاف مت جتایا کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ (اصل) پرہیز گار کون ہے"

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[3]

اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں پر خرچ کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے سے مال میں کمی ہو جائے گی اور صدقہ و خیرات کا عمل مال کو گھٹا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ مال کو گھٹاتا نہیں بلکہ بڑھاتا ہے۔ اسی طرح دوسرا تصور ہم کسی کو معاف کرنا اپنی بزدلی اور کم ہمتی اور ذلت و پستی جانتے ہیں اور اسی طرح ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے تسلیم کرنے میں عار سمجھتے ہیں۔ یوں ہم سمجھتے ہیں معاف کرنا ذلت ہے اور معذرت خواہ ہونا ندامت ہے اور بے عزت ہونا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں ہرگز ہرگز نہیں۔ معاف کرنا اور معذرت طلب کرنے کا خلق و عمل انسان کی عزت کو بڑھاتا ہے۔ حسن بن جہم نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ تواضع کا معیار اور اس کی تعریف کیا ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا، تواضع کے کچھ درجات ہیں ان میں سے ایک درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقام و حیثیت کو سمجھے اور ہر کام اپنی حیثیت کے مطابق کرے بلکہ اس مقام سے قلب سلیم کے ساتھ تھوڑا نیچے اتر آئے اور جو کچھ چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوسرے کے لئے پسند کرے۔

۱۔ الشعراء، ۲۶: ۲۱۵

۲۔ النجم، ۵۳: ۳۲

۳۔ الفرقان، ۶۳

اگر کسی سے کوئی برائی دیکھے تو اس کے سامنے نیکی کرے (یعنی بدی کے مقابلے میں نیکی کرے) اور اپنے غصے کو پی جائے اور لوگوں سے در گزر کرے۔ بلاشبہ خداوند عالم نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

چھٹا اصول: صبر و استقامت

دنیا میں سعادتمندی اور خوشحالی کے حصول کا آٹھواں اصول 'صبر' ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ" اور کسی شخص کو صبر سے بڑھ کر اچھا اور ہمہ گیر عطیہ نہیں دیا گیا۔"[1] "صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں میان اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا جائے۔ "[2] جب بندہ کو کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچے تو وہ اسے برداشت کرے، اس پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سمجھ کر اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب ہو، یوں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور اس کے گناہوں کو مٹا کر اسے اطمینانِ قلب نصیب کرے گا۔ اور ہمیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ دنیا میں ہر مومن کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی آزمائش لکھ رکھی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

> وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ [3]

> اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف و ہراس اور بھوک سے اور مال و جان اور پھلوں میں کمی سے اور آپ (اے محمد ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنھیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں:

اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف و ہراس اور بھوک سے اور مال و جان اور پھلوں میں کمی سے اور آپ (اے محمد ﷺ) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے

۱۔ بخاری، حدیث: ۱۴۶۹

۲۔ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد ۱، ص ۳۷

۳۔ البقرۃ: ۱۵۵ - ۱۵۷

دیکھیے جنھیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناًاللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آزمائشوں میں صبر کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ ان پر اس کی نوازشیں ہوتی ہیں اور وہ رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ گویا صبر وہ چیز ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے کی زندگی کو خوشحال بنادیتا ہے اور اسے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے اور آزمائش کوئی بھی ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، جسمانی ہو یا ذہنی، ہر قسم کی آزمائش مومن کیلئے باعثِ خیر ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ،وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حَزَنٍ،وَلاَ أَذىً وَلاَ غَمٍّ،حَتّٰى الشَّوْكَةُ الَّتِيْ يُشَاكُهَا،إِلاَّ كَفَّرَ االلّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ[1]

مسلمان کو جب تھکاوٹ یا بیماری لاحق ہوتی ہے، یا وہ حزن وملال اور تکلیف سے دوچار ہوتا ہے، حتی کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ أَذًى إِلاَّ حَاتَّ االلّٰهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ[2]

کسی مسلمان کو کوئی اذیت (تکلیف) پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح گرادیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔

ساتواں اصول: عفوودرگزر

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَالْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ[3]

ا۔ مسلم: ۲۵۷۳

۲ بخاری: ۵۶۴۷، مسلم: ۲۵۷۱

۳۔ النور: ۲۲

اور انہیں معاف کر دینا چاہئے اور در گزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟

لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئیں، اچھے اخلاق انسان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا ایک مقصد "مکارم اخلاق" کو مکمل کرنا بھی بتایا ہے، انسان کے پاس اگر اخلاق حسنہ نہ ہو تو وہ کسی شمار اور قطار میں نہیں، لیکن بہترین اخلاق کے حامل انسان کو لوگوں میں سب سے بہترین قرار دیا گیا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ" اور بدلے میں آپ کا یہ عمل آپ کو بہترین بنادے گا۔[1]

آٹھواں اصول: ایثار و سخاوت

ایثار دل کی تونگری اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو اسی کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو ایثار اور قربانی پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کی ضد "شُح" ہے جو بخل سے وسیع مفہوم کا حامل ہے، یہ بخل، تنگ نظری، تنگ دلی، کم حوصلگی، اور دل کے چھوٹے پن سب کا احاطہ کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود شدید ضرورت ہوتی ہے۔[2]

ایثار بھی خدمت کی ایک بہت بڑی قسم ہے۔ ایثار کے لغوی معنی ہیں ترجیح دینا۔ اپنے مفاد کو دوسرے کے مفاد پر قربان کر دینا۔ اردو میں لفظ قربانی بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایثار کسی فرد یا گروہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ملک و قوم اور بنی نوع انسان کے لئے بھی۔ یہ ایک بہت اعلیٰ وصف ہے اور تمام اوصاف حمیدہ کی اصل یہی ہے۔ ہمدردی، عفو و در گزر، صبر و تحمل، سخاوت، شجاعت، عدل، امانت و دیانت وغیرہ جتنے بھی اوصاف ہیں۔ در حقیقت سب کے پیچھے ایثار کا ہی وصف کار فرما ہوتا ہے۔ یہ جڑ ہے اور سب اوصاف اسی سے پھوٹتے ہیں۔ حقیقی معنی میں عظیم ہے وہ شخص جو ایثار کرتا ہے۔ حقیقت میں کوئی بھی بڑا کام ایثار کے جذبے کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ اس کی ضد خود غرضی ہے۔

---

۱ ۔ ترمذی، ۱۹۸۷

۲ ۔ سورۃ الحشر، ۹،

جو سب رذائل اخلاق کی جڑ ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو جو سبق اور درس دیا وہ یہ تھا: ''کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرمایا، وہ اس امر سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر کہا

یا قومی اسلموا ، فان محمّداً یعطی عطاءً لا یخشی الفاقة-[1]

اے لوگو! اسلام لے آؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ وہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

میاں بیوی کے اعتبار سے بھی اور اس سے ہٹ کر بھی معاملہ یہ ہے کہ دل لالچ کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں، ہر ایک اپنی راحت و آسائش چاہتا ہے اور اپنے اوپر کچھ مشقت گوارا کر کے دوسرے کی آسائش کو ترجیح نہیں دیتا۔ لہٰذا جو شخص دوسرے کی راحت کو مقدم رکھتا ہے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو سکون پہنچاتا ہے وہ بہت باہمت ہے، اسی طرح کی چیزوں کے بارے میں قرآنِ مجید نے فرمایا:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِه فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2]

اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کو لالچ سے بچائے گا وہی کامیاب ہیں۔

نواں اصول: مہمان نوازی:

مہمانداری زندگی کے لوازمات میں سے ہے۔ مہمان نوازی ایک اچھی رسم ہے اس کے ذریعہ دلوں میں باہمی تعلق و ارتباط پیدا ہوتا ہے۔ محبت و الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نفرت و کدورت دور ہوتی ہے دوستوں اور عزیزوں کے یہاں آمد و رفت اور کچھ دیر مل بیٹھنا ایک مفید اور سالم تفریح شمار کی جاتی ہے ۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مہمان کا رزق آسمان سے نازل ہوتا ہے اس کو کھلانے سے میزبان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

امام علی رضا(ع) فرماتے ہیں:

---

۱ ۔ صحیح مسلم، ح ۲۳۱۲

سخی لوگ دوسروں کے کھانے میں سے کھاتے ہیں تاکہ بدلے میں وہ بھی ان کے کھانے میں سے کھائیں لیکن کنجوس دوسروں کا اس لیے نہیں کھاتے تاکہ دوسرے بھی ان کا نہ کھائیں ۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

دوستوں کے ساتھ بیٹھنے سے محبت پیدا ہوتی ہے ۔ امام محمد تقی(ع) فرماتے ہیں: دوستوں کے پاس بیٹھنا، دل کو تروتازہ اور عقل کو بار آور کرتا ہے، خواہ تھوڑی دیر ہی بیٹھا جائے۔

جبکہ قرآن کریم میں اپنے خلیل کی مہمانداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔

وَ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُواْ سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ-فَلَمَّا رَءَا أَيْدِيهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ أَوْجَسَ مِنهُمْ خِيفَةً قَالُواْ لَا تخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلىَ قَوْمِ لُوطٍ -وَ امْرَأَتُهُ قَائمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَهَا بِإِسْحَاقَ وَ مِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ- قَالَتْ يَاوَيْلَتىَ ءَ أَلِدُ وَ أَنَا عَجُوزٌ وَ هَاذَا بَعْلىِ شَيْخًا إِنَّ هَاذَا لَشىَ‏ءٌ عَجِيبٌ -قَالُواْ أَ تَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ عَلَيْكمُ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مجِّيدٌ -[1]

اور ابراہیم کے پاس ہمارے نمائندے بشارت لے کر آئے اور آکر سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کیا اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے اور جب دیکھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ ادھر نہیں بڑھ رہے ہیں تو تعجب کیا اور ان کی طرف سے خوف محسوس کیا انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم کی زوجہ اسی جگہ کھڑی تھیں یہ سن کر ہنس پڑیں تو ہم نے انہیں اسحاق کی بشارت دے دی اور اسحاق کے بعد پھر یعقوب کی بشارت دی۔

ا۔ ہود- ۶۹-۷۳

توانہوں نے کہاکہ یہ مصیبت اب میرے یہاں بچہ ہوگا جب کہ میں بھی بوڑھی ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں یہ تو بالکل عجیب سی بات ہے۔

فرشتوں نے کہاکہ کیا تمہیں حکم الٰہی میں تعجب ہورہاہے اللہ کی رحمت اور برکت تم گھر والوں پر ہے وہ قابل حمد اور صاحب حمد و بزرگی ہے۔

اس کے بعد جب ابراہیم کا خوف برطرف ہوا اور ان کے پاس بشارت بھی آچکی تو انہوں نے ہم سے قوم لوط کے بارے میں اصرار کرنا شروع کر دیا۔

بیشک ابراہیم بہت ہی درد منداور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

دسواں اصول: احترام بزرگان

تعلیمات قرآنی میں سے ایک اہم سبق بزرگوں کا احترام اور ادب ہے۔ قرآن نے وہ والدین جو بزرگ ہوچکیں ہوں ان کے بارے میں زیادہ تابیداری اور احترام کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس آیت میں

وَ قَضىَ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَنًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لهَّمَا أُفٍ وَ لَا تَنهَرْهُمَا وَ قُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا–وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُل رَّبّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانىِ صَغِيرًا–رَّبُّكمُ أَعْلَمُ بِمَا فىِ نُفُوسِكمُ إِن تَكُونُواْ صَالحِِينَ فَإِنَّهُ كاَنَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورً - [۱]

اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو خبر دار ان سے اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا۔

۱۔ الاسراء ۲۲-۲۵

اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار اُن دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے ۔
تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے حالات سے خوب باخبر ہے اور اگر تم صالح اور نیک کردار ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کے لئے بہت بخشنے والا بھی ہے۔

گیارواں اصول: معذرت خواہی و پردہ پوشی

غلطی ہو جانے پر توبہ کریں اور کوئی بھلائی کا کام کر لیں، غلطی کرنا انسانی زندگی کا جزء ہے، ابن آدم گنہگار ہے لیکن بہترین گنہگار وہ ہے جو اپنی غلطی پر نادم ہو کر اس سے توبہ کر لے، اللہ بھی ایسے بندوں کو محبوب رکھتا ہے، ان کی غلطی کو معاف کر دیتا ہے، گناہ پر اصرار سراسر خسارے کا باعث ہے، نبی کریم ﷺ نے مختلف احادیث میں اس بات کی تاکید ہے کہ جب ہم سے غلطی ہو جائے تو ہم اس پر اصرار کرنے اور اسے دہرانے کی بجائے اس سے توبہ کریں، اور غلطی کے بعد کوئی بھلائی کا کام کر لیں... ایسی صورت میں وہ بھلائی اس برائی کے خاتمے کا ذریعہ بن جائے گی کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں ...

پردہ پوشی یعنی کسی کے عیب کو ظاہر نہ کریں، عیب سے کون مبرّا ہے؟ خامیاں ہر انسان میں ہیں، لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے تو ہم کسی کی ٹوہ میں نہ لگیں، اور اگر کہیں سے ہمیں کوئی خامی یا برائی کسی کے تعلق سے معلوم ہو جاتی ہے تو اسے عام نہ کریں بلکہ اس پر پردہ ڈال دیں، اس انسان سے ملاقات کر کے اس کی غلطی کی اصلاح کریں اور اسے بہتر بنانے کی کوشش کریں، بخاری کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا تو بدلے میں اللہ دنیا و آخرت میں ایسے شخص کے عیوب کو چھپالے گا۔" [1]

غلطیوں پر پیشمان ہونے کے ساتھ غلطیوں سے سبق بھی سیکھنا چاہیے، غلطیاں انسان کو مجرّب بنا دیتی ہیں اور ٹھوکریں کھانے کے بعد انسان سرخرو ہو جاتا ہے، بات بھی حقیقت ہے کہ انسان جب تک غلطی نہیں کرتا کسی بھی معاملے میں وہ پختہ نہیں ہوتا لیکن ہمارے بیچ کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جاتے ہیں لیکن وہ سبق حاصل نہیں کرتے اور انہیں ہوش اس وقت آتا ہے جب چڑیا کھیت چُگ کر اڑ جاتی ہے پھر کفِ افسوس مَلنے کے سوا انسان کے پاس کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔

بارواں اُصول: شکر نعمت

ما يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ وَ كانَ اللَّهُ شاكِراً عَليماً [2]

خدا تم پر عذاب کر کے کیا کرے گا اگر تم اس کے شکر گزار اور صاحبِ ایمان بن جاؤ اور وہ تو ہر ایک کے شکریہ کا قبول کرنے والا اور ہر ایک کی نیت کا جاننے والا ہے.

کامیاب و خوشحال زندگی کے حصول اور مشکلات سے نجات کا حاصل کرنے کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ہم میں سے ہر انسان اللہ تعالیٰ کی بے شمار و ان گنت نعمتوں پر شکر گزار ہو۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ [3]

شکر مومن کی نشانی ہے، جبکہ بندوں میں شکر گذار کم ہیں۔

وقليل من عبادى الشكور [4]

جس حال میں بھی ہو اسے خدا کی مرضی سمجھتے ہوئے صبر و شکر سے گزارتے ہیں۔ خاندانی زندگی میں انسان کو بہت سے نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے، روز مرّہ پیش آنے والے حالات خوش گوار بھی ہو سکتے ہیں اور نہایت برے بھی، ان دونوں حالتوں میں ہمیں صبر و شکر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ جو بھی ہمارے پاس ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور یہ اسکی عطا اور فضل ہے ورنہ ہم اس کا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ اپنی

۱۔ صحیح بخاری: ح، ۲۴۴

۲۔ نساء، ۱۴۷

۳۔ إبراہیم، ۳۴

۴۔ سبا-۱۳

زندگی کا دوسروں کی زندگی سے موازنہ کرنے سے انسان ناشکرا بن جاتا ہے۔شکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ [۱]

اور یاد رکھو! تمھارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تمھیں اور زیادہ نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر میری سزا بھی بہت سخت ہے۔" پس اللہ اپنے شکر گزار بندوں کی زندگی کو خوشحال بنا دیتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ناشکری کرنے والوں کو سخت تنبیہ بھی کی ہے کہ وہ ان کی ناشکری کی بنا پر ان سے موجودہ نعمتوں کو چھین کر انہیں مصائب وآفات میں گرفتار بھی کر سکتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا [۲]

اگر تم لوگ (اللہ کا) شکر ادا کرو اور (خلوص نیت سے) ایمان لے آؤ، تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمھیں عذاب دے۔ جبکہ اللہ تو بڑا قدر دان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اگر سچا مومن اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو تو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اسے آزمائش میں مبتلا نہیں کرتا، بلکہ وہ تو قدر دان ہے اور اپنے بندوں کے جذباتِ تشکر کو دیکھ کر انہیں اور زیادہ عطا کرتا ہے۔ شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی بجالانا ضروری ہے اور سچا شاکر وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ احسانات کرتا ہے تو وہ اس کی اور زیادہ اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے اور وہ جتنا اسے اپنے فضل سے نوازتا ہے اتنا ہی اس کے جذباتِ محبت واطاعت اور جوش میں آتے ہیں اور وہ ہر طرح سے ان کے شکر کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپؐ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پوچھتیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ فرماتے: "کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ [3] اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "(دنیاوی معاملات میں) اپنے سے اوپر والوں کو دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہ کو اپنے سے نیچے والے شخص کی طرف کرو، کیونکہ ایسی صورت میں تمہیں

---

۱ ۔ابراہیم: ۷

۲۔النساء۔ ۱۴۷

۳ ۔ بخاری: ح ۴۸۳۷

اللہ کی کوئی بھی نعمت معمولی اور بے کار نہیں لگے گی"[1] اگر اس کے بر عکس بندہ اپنے سے اوپر والے کی طرف دیکھنے لگ جائے تو وہ مزید کا طلبگار ہو گا، اور ایسی صورت میں اس کے پاس موجود اللہ کی ہر نعمت اسے حقیر نظر آئے گی اور وہ کسی بھی چیز پر اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکے گا۔

تیرواں اصول: شکر و قدردانی محسنین

انسان کو قدردان ہونا چاہئے دوسروں کے احسانات و محبت کا صلہ اچھے انداز میں دینا چاہئے اور شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے وَ إِذا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْها أَوْ رُدُّوها [2] اور جب تم لوگوں کو کوئی تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو۔ اللہ انسان کی قدردانی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، لایَشکُرُ اللهَ مَن لَم یَشکُرِ النّاسَ. [3] جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

انسان کو اللہ نے والدین کے احسانات اور محبت کی وجہ سے ان کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اُن اشکر لی ولوالدیک [4] تم میرا (اپنے رب کا) اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

اِنَّ اللهَ عَزَّوجلّ أَمَرَ بِالشُّكرِ لَهُ وَ لِلوالـدَينِ فَمَن لَمْ يَشكُرْوالدَيهِ لَم يَشكُرِ اللهَ.

بے شک اللہ نے والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس نے والدیں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ ادا نہ کیا۔[۵]

حضرت ابراہیم کا امتیازی وصف یہ بتایا گیا شاكِراً لِأَنْعُمِهِ اجْتَباهُ وَ هَداهُ إِلى صِراطٍ مُسْتَقيمٍ [6] وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے خدا نے انہیں منتخب کیا تھا اور سیدھے راستہ کی ہدایت دی تھی۔

پیامبر گرامی کا فرمان ہے:

۱۔ صحیح مسلم: ح ۲۹۶۳

۲ ۔النساء۔ ۸۶

۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ابن بابویہ، محمد بن علی، دفتر انتشارات اسلامی قم، ج ۴، ص: ۳۸۰

۴۔ لقمان، ۱۴

۵ ۔عیون اخبار الرضا، ابن بابویہ، محمد بن علی، نشر جہان تہران ج ۲، ص: ۲۴

۶ ۔النحل ۱۶

علامةُ الشّاكِرِ اَربَعَةٌ: الشُّكرُ فِي النَّعماءِ وَ الصَّبرُ فِي البَلاءِ وَ القُنوعُ بِقِسَمِ اللهِ وَ لايَحمَدُ و لايُعظِّمُ الاّ اللهَ. [۱]

شکر گزار بندے کی چار علامات ہیں: نعمت ملنے پر شکر کرتے ہیں، مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں، خدا کی تقسیم پر قناعت کرتے ہیں، صرف خدا کو لائق حمد سمجھتے ہیں۔

چودہواں اصول: دعا و عمل

خوشگوار زندگی انسان کی تب ہوگی جب انسان مضطرب، پریشان اور خائف نہ ہو، مطمئن سکون اور چین کی زندگی بسر کرے۔ اس دنیا میں انسان جو بھی سعی کرے، جدید سائنسی ترقی اور مختلف ٹیکنالوجی اس لیے ایجاد کر رہے ہیں تاکہ انسان کو سکھ اور چین ملے مگر تاریخ گواہ ہے سائنسی ترقی ترقی کے باوجود انسان پہلے سے زیادہ پریشان نظر آتا ہے۔ پس مطمئن زندگی بسر کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ دعا، ذکر اور عمل ہے۔ دعا اور عمل لازم و ملزوم ہے دعا کے بعد عمل یعنی ذمہ داری کو انجام دینے کا مرحلہ آتا ہے جیسا کہ فرمان خدا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْن

جو شخص نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ایمان والا ہو تو اسے ہم یقینا بہت ہی اچھی زندگی عطا کریں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔ [۲]

ذکر و دعا مطمئن زندگی بسر کرنے کا وہ کیمیا ہے جسے یہ نصب ہوا پھر دنیا میں اور کچھ نہ چاہا۔

الَّـذينَ آمَنُـوا وَ تَطْمَـئِنُّ قُلُـوبُهُمْ بِـذِكْرِ اللَّهِ أَلا بِـذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَـئِنُّ الْقُلُوبُ [۳]

اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ تحف العقول، ابن شعبہ حرانی، حسن بن علی، جامعہ مدرسین قم، ص 19

۲۔ النحل: ۹۷

۳۔ الرعد۔ ۲۸

انبیاء کرام کی ماثور دعائیں قرآن میں اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ مشکل، پریشانی، اولاد، بیماری، فقر و فاقہ، دشمن پر غلبہ خانوادہ اور معاشرے کی اصلاح --- کے سلسلے میں بہت سی دعائیں نقل ہوئیٔ ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے ہر مشکل میں اس خالق کو پکارے جو دعاوں کو سنتا ہے اور مستجاب بھی کرتا ہے۔

وَ قالَ رَبُّكُمُ ادْعُوني أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبادَتي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ داخِرينَ — وَ إِذا سَأَلَكَ عِبادي عَنِّي فَإِنِّي قَريبٌ أُجيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذا دَعانِ فَلْيَسْتَجيبُوا لي وَ لْيُؤْمِنُوا بي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ - [1]

اور اے پیغمبر! اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں. پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہِ راست پر آجائیں۔

وَ قالَ رَبُّكُمُ ادْعُوني أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبادَتي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ داخِرينَ

اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقینا جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلّت کے ساتھ جہّنم میں داخل ہوں گے۔ غنی مطلق صرف خدا کی زات ہے باقی سب محتاج مطلق ہے، حقیقت میں اظہار فقر ہی عبادت ہے اور اس محتاجی کو یاد رکھنا ہی ذکر ہے۔ جو ذکر سے غافل ہوا حقیقت میں اندھا ہو گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمىٰ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ أَعْمىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسىٰ [2]

اور جو شخص میری یاد سے رو گردانی کرے گا وہ دنیا میں یقینا تنگ حال رہے گا اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے؟ دنیا میں تو میں خوب دیکھنے والا تھا۔ اللہ کہے گا: اسی طرح

۱ ۔البقرۃ، ۱۸۶
۲ ۔طہ، ۱۲۴ - ۱۲۶

تمھارے پاس میری آیتیں آئی تھیں تو تم نے انہیں بھلا دیا تھا اور اسی طرح آج تم بھی بھلا دیے جاؤ گے۔

پس دعا کے ذریعے انسان خدا سے ملا ہوتا ہے جو قطرہ دریا سے مل جائے وہ بھی دریا کہلائے گا۔

پندرہواں اصول: مشورہ

انسان اپنے آپ کو عقل کل نہ سمجھے زندگی کے امور میں خاندان کے افراد سے مشورہ لیا جائے، جیسا کہ قرآن کا حکم ہے:

و شاورھم فی الامر[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے قربانی کے سلسلے میں اپنے بیٹے سے مشورہ لیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَابُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَا ذَا تَرَى قَالَ يَأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ- فَلَمَّا أَسْلَمَا وَ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ-[2]

پھر جب وہ فرزند ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب تم بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے فرزند نے جواب دیا کہ بابا جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کریں انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے

سولہواں اصول: وعظ و نصیحت

خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لیے گاہے بگاہے نصیحت کی ضرورت پڑھتی ہے جس طرح اللہ نے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو نصیحت کی اسے بیان فرمایا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ[1]

۱۔ آل عمران/۱۵۹

۲ ۔ الصافات ۱۰۲

اور لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اِس لیے کہ اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ بے شک، سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

سترہواں اصول: سعی و کوشش

آج کا کام کل پر نہ ٹالیں، کام کوئی بھی، کیسا بھی ہو سستی و کاہلی ہر کام کے لئے نقصان دہ ہے، جس کام کو جو وقت آپ نے یا قدرت نے مقرر کیا ہے وہ کام اسی مقررہ وقت پر کرنے کی کوشش کریں دنیا میں آنے کے مقصد پر نگاہ رکھیں، میدان اور مجال کوئی بھی اور کیسا بھی ہو انسان کی نگاہ اپنے مقصد پر ہوتی ہے، اس پر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی دُھن سوار ہوتی ہے، جس طرح ایک بامقصد انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے بعینہ اسے اس دنیا میں آنے کے مقصد پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے، انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور موت و حیات کی تخلیق کا مقصد عمل کے اعتبار سے لوگوں کی آزمائش ہے۔ ہماری بھی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم اپنی تخلیق اور دنیا میں آنے کے مقصد کو اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

لایعنی اور فضول چیزوں سے احتراز کریں، کوئی بھی شخص کسی بھی غلط چیز کو خود سے منسوب نہیں کرنا چاہتا، اس کے باوجود وہ لایعنی اور اور فضول چیزوں کے پیچھے لگا رہتا ہے، جس چیز میں نہ دینی فائدہ ہو اور نہ دنیاوی تو اس کے پیچھے پڑنا ہی بے کار اور عبث ہے، اور ایک مسلمان کے تعلق سے تو یہ بات حدیث نبوی میں بتلائی گئی ہے کہ "آدمی کے اسلام کی اچھائیوں میں سے ایک اچھائی یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے"[1] خواہ اس فضول چیز کا تعلق کسی بھی شے سے ہو۔

۱۔ ترمذی، ح، ۲۳۱۸

اٹھارواں اصول: اچھے ساتھیوں کا انتخاب

انسان تنہا رہنا پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرے لہذا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی اس کا مونس ومددگار ہمدم وہمراز دوست ہو۔ دوستی کے رشتہ میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ یہ الفت و محبت اور اخلاص کی ایک ایسی فضا ایجاد کردے کہ انسان اپنے جذبات و احساسات افکار وخیالات مختصر یہ کہ تمام رجحانات ومیلانات چاہے بدہو یا خوب ایک دوسرے کے اندر جذب کرتے چلے جائیں اور ایک دوسرے کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے خاندانی مشکلات میں سے ایک ان کا نافرمان بیٹا تھا جو دوستوں ہی کی وجہ سے لیس من اھلک ہوا۔

وَ نَادَى نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلىِ وَ إِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ أَنتَ أَحْكَمُ الحَاكِمِينَ

قَالَ يَنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيرُ صَالِحٍ فَلَا تَسَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنىّ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِين[1]

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار میرا فرزند میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ اہل کو بچانے کا برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

ارشاد ہوا کہ نوح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے یہ اس کا عمل غیر صالح ہے لہذا مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے - میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہارا اشمار جاہلوں میں نہ ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مجالسة الابرار للفجّار تلحق الابرار بالفجّار.[2]

سعدی نے کیا خوب فرمایا:

پسر نوح با بدان بنشست   خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاف کهف روزی چند   پی نیکان گرفت و آدم شد[3]

۱۔ ھود، ۴۵-۴۶

۲۔ صفات الشیعۃ، شیخ الصدوق، ابی جعفر محمد بن علی بن حسی ن بن بابویہ القمی، طبعۃ الاعلمی، ۱۴۰۳ھ، طھران، ایران۔ ص ۶۔

۳۔ تفسیر خسروی، ج ۴، ص: ۲۹۴.

رُوِيَ أنَّ سُلَيمانَ عليه السّلام قالَ : لا تَحكُموا عَلى رَجُلٍ بِشَيءٍ حَتّى تَنظُروا مَن يُصاحِبُ ؛ فَإِنَّما يُعرَفُ الرَّجُلُ بِأَشكالِهِ و أقرانِهِ ، و يُنسَبُ إلى أصحابِهِ وإخوانِهِ[1]

اسلام نے قرآنِ کریم اور سنتِ معصومین میں دوستی ورفاقت کے متعلق گفتگو کی ہے اور اس بارے میں ضروری رہنمائی کی ہے:

۱) مثبت و مفید دوستی

اَلخَلقُ عَیٰالُ اللهِ فَاَحَبُّ الخَلقِ لَی اللهِ مَن نَفَعَ عَیٰالَ اللهِ وَادخَلَ عَلیٰ بَیتٍ سُرُوراً

تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کے نزدیک محبوب ترین فرد وہ ہے جو خدا کے کنبے کو فائدہ پہنچائے اور ان کے گھروں میں سے کسی گھر میں خوشی داخل کرے۔[2]

خداوندِ عالم کے نزدیک اس مسئلے کی انتہائی اہمیت کا عکاس ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاصبِر نَفسَكَ مَعَ الَّذِینَ یَدعُونَ رَبَّهُم بِالغَدوٰةِ وَالعَشِیِّ یُرِیدُونَ وَجهَهُ وَلاٰ تَعُد عَینٰاكَ عَنهُم تُرِیدُ زِینَةَ الحَیٰوةِ الدُّنیٰا وَلاٰ تُطِع مَن أَغفَلنَا قَلبَهُ عَن ذِكرِنٰا وَ اتَّبَعَ هَوٰاهُ وَكَانَ اَمرُهُ فُرُطاً

اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ تم زندگانیٔ دنیا کی زینت کے طلبگار بن جاؤ اور کسی صورت اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے اور اسکا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔[3]

پروردگارعالم نے برے اور نامناسب دوستوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ایسے دوست ہیں جن کی دوستی پر لوگ روزِ قیامت شرمندہ ہوں گے۔ پروردگارِ عالم فرماتا ہے:

۱۔ کنزالفوائد، ابی الفتح الشیخ محمد بن علی بن عثمان الکراجکی الطرابلسی، دارالذخائر قم، ایران، ج۱ ص۹۸

۲۔ اصول کافی. کلینی، محمد بن یعقوب, دارالحدیث, قم, ج۳ ص 419

۳۔ سورۂ کہف ۱۸ آیت ۲۸

وَيَومَ يَعَضُّ الظّٰالِمُ عَلىٰ يَدَيهِ يَقُولُ يٰا لَيتَنِى تَّخَذتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً

اور جس دن ظلم کرنے والا (مارے افسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کہ کاش میں بھی رسول کے ساتھ دین کا سیدھا راستہ اختیار کرتا۔[1]

قرآنِ کریم مذکورہ بالا آیت میں آگے چل کر اس افسوس کرنے والے کی زبان میں کہتا ہے:

يٰا وَيلَتٰى لَيتَنِى لَم تَّخِذ فَلاٰناً خَلِيلاً

ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

اس سے سوال کیا جائے گا: تمہیں کیا ہوا ہے فلاں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟ وہ جواب میں کہے گا:

لَقَد أَضَلَّنِى عَنِ الذِّكرِ بَعدَ ذجَائَنى وَكَانَ الشَّيطٰانُ لِلاِنسَانِ خَذُولاً

اس نے ذکر (کلامِ الٰہی) آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو آدمی کو رسوا کرنے والا ہے ہی۔[2]

خوشگوار قرآنی اسلوب زندگی میں رکاوٹیں

رکاوٹیں وہ امور ہیں جن کی موجودگی سے خاندانی زندگی میں زوال شروع ہو جاتا ہے، لہذا ان امور سے پرہیز کیے بغیر اچھی زندگی ممکن نہیں۔

پہلا اصول: لالچ

لالچ دل میں جگہ بنالے تو انسان خود غرض بن جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے ہی فائدے کے بارے میں سوچتا ہے اور ھل من مزید کے چکر میں رہتا ہے۔ اس لالچ کی وجہ سے انسان مصیبتوں میں نہ صرف خود گرفتار ہو جاتا ہے بلکہ پورے خاندان کو بھی آگ میں جھونک دیتا ہے۔

۱۔ فرقان، ۲۷

۲۔ فرقان، ۲۹

دوسرا اصول: حسد:

نامطلوب اصول میں سے ایک حسد ہے جس گھر میں خدانخواستہ یہ آگ لگے وہ گھر برباد ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قتل نفس سے بڑھ کے کوئی اخلاقی و شرعی برائی نہیں ہے، قتل کے محرکات قرآن میں تین نظر آتے ہیں غصہ -لالچ- حسد ہیں اگر غور کریں تو ان تینوں کی بازگشت حسد ہی کی طرف ہے۔ قرآن میں دو انبیاء کے گھروں کا تذکرہ بطور نمونہ ہمارے ہدایت کے لیے پیش کیا ہے۔ حسد کی وجہ سے ایک خاندان میں قتل جبکہ دوسرے میں اقدام قتل جیسی معاشرتی و اخلاقی گناہ کبیرہ وجود میں آیا جس نے عرصہ دراز سے پورے خاندان کو مصیبت اور بے چین کر کے رکھ دیا۔ بعض کتب روایات میں روایات اسرئیلیات کے ایماء پر اس واقعے کو بڑے شد و مد کے ساتھ لڑکی سے شادی کے ساتھ منسک کر دیا ہے جبکہ قرآن نے اسے امتحان الٰہی میں ناکام ہونے کے بعد حسد کا واقعہ گردانا ہے۔[1] اللہ نے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کے درمیان ہونے والے امتحان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حسد اور اس کے انجام کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَ اتْلُ عَلَيهِمْ نَبَأَ ابْنىَ ءَادَمَ بِالْحَقّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الاَخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئنِ بَسَطتَ إِلىَ يَدَكَ لِتَقْتُلَنىِ مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِىَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنىّ أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَلَمِينَ-إِنىّ أُرِيدُ أَن تَبُوأَ بِإِثْمِى وَ إِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَ ذَالِكَ جَزَؤُاْ الظَّالِمِينَ-فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الخَاسِرِينَ[2]

اور آپ ان کو آدمؑ کے دونوں فرزندوں کا سچا قصّہ پڑھ کر سنایئے کہ جب دونوں نے قربانی دی اور ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی تو اس نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا تو دوسرے نے جواب دیا کہ میرا کیا قصور ہے خدا صرف صاحبان تقوٰی کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔

ا۔المیزان طباطبائی سید محمد حسین، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۴۱۷ق ج ۵ ص ۲۸۹۔
۲۔المائدۃ: ۲۷ -۳۰

اگر آپ میری طرف قتل کے لئے ہاتھ بڑھائیں گے بھی تو میں آپ کی طرف ہر گز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کہ میں عالمین کے پالنے والے خدا سے ڈرتا ہوں۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے اور اپنے دونوں کے گناہوں کا مرکز بن جایئے اور جہنمیوں میں شامل ہو جایئے کہ ظالمین کی یہی سزا ہے۔
پھر اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ والوں میں شامل ہو گیا۔

حسد کی وجہ سے اقدام قتل

لَّقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَ إِخْوَتِهِ ءَايَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ

إِذْ قَالُواْ لَيُوسُفُ وَ أَخُوهُ أَحَبُّ إِلىَ أَبِينَا مِنَّا وَ نحَنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ

اقْتُلُواْ يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يخَلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَ تَكُونُواْ مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ

یقینا یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔[1]
جب ان لوگوں نے کہا کہ یوسف اور ان کے بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کی نگاہ میں زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہماری ایک بڑی جماعت ہے یقینا ہمارے ماں باپ ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

تم لوگ یوسف کو قتل کر دو یا کسی زمین میں پھینک دو تو باپ کا رخ تمہاری ہی طرف ہو جائے گا اور تم سب ان کے بعد صالح قوم بن جاؤ گے۔

بھائیوں کا حضرت یوسف کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی حسد تھا[2] اس حسد کی وجہ سے ایک خوشیوں سے بھرا گھر چالیس سال تک ماتم کدہ بنا رہا۔[1]

۱۔ یوسف ۷-۹

۲ ۔مفاتیح الغیب، فخرالدین رازی ابوعبداللہ محمد بن عمر ،دار احیاءالتراث العربی،بیروت،۱۴۲۰ ق ،چاپ سوم،ج۱۸،ص ۴۲۳

تیسرا اصول: غصہ

الَّذينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ الكَاظِمِينَ الغَيظَ وَ العَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَ اللهُ يُحِبُّ المحسِنينَ[۲]

جو راحت اور سختی ہر حال میں انفاق کرتے ہیں اور غصّہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَ الَّذينَ يَجْتَنِبُونَ كَبائِرَ الْإِثْمِ وَ الْفَواحِشَ وَ إِذا ما غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ[3]

اور بڑے بڑے گناہوں اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصّہ آجاتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔

چوتھا اصول: چغل خوری

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ -[۴]

چغل خوری ایک انتہائی بری عادت ہے اس سے ایک دوسرے کے درمیان کینہ اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیتی ہے بہت سے جرائم، جھگڑے، قتل، لڑائیاں اسی چغل خوری کا نتیجہ ہوتی ہیں اس برائی کی وجہ سے میاں بیوی، والدین اور بچوں ایک دوسرے جدا ہو جاتے، امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: تم میں سے شریر اور برے وہ ہیں کہ جو چغل خوری سے دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دیتے ہیں اور پاکدامن افراد کی عیب جوئی کرتے ہیں۔[۵]

پانچواں اصول: جھوٹ سے پرہیز

خاندانی زندگی اعتماد پر استوار ہوتی ہے لہذا کہیں جھوٹ چھو بھی جائے تو خاندانی اعتماد کی عمارت زمیں بوس ہو کر پاش پاش ہو جاتی ہے۔اسی لیے قران و حدیث میں سخت مذمت کی ہے۔ فَاجْتَنِبُ ا لرِّجْسَ

۱۔ تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، ابن کثیر دمشقی اسماعیل بن عمرو، دار الکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون، بیروت، ۱۴۱۹ق، ج ۴، ص ۳۵۳

۲ ۔ال عمران، ۱۳۴

۳۔ شوری، ۳۷

۴۔ الھمزہ-۱

۵۔ اصول کافی، شیخ یعقوب کلینی، ج ۲، ص ۳۶۹

مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ "[1] پس تم ناپاک چیزوں مثلاً بتوں سے بچو اور لغو باتوں سے بھی بچو۔"
یہاں قَوْلَ الزُّوْر یا لغو باتوں سے مراد جھوٹ ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ :

جُعِلَتِ الْخَبَآئِثُ كُلّهَافِىْ بَيْتٍ وَّاحِدٍ وَجُعِلَ مِفْتَاحُهَا الْكِذْبَ۔ [2]

تمام برائیاں ایک کمرے میں مقفّل ہیں اور اسکی چابی جھوٹ ہے۔

چھٹا اصول: غیبت

وَ لايَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَ اتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ تَوّابٌ رَحِيم

غیبت کو قرآن میں واضح طور پر حرام قرار دیا گیا اور اسے ایک قبیح فعل سے تشبیہ دی ہے۔ سورہ الحجرات میں بیان ہوتا ہے:

اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ دیکھو اس چیز کو تم خود بھی ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ [3]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل نہیں۔ تم مسلمانوں کی غیبت چھوڑ دو اور ان کے عیب نہ کرید و۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالٰی تمہاری پوشیدہ برائیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھر والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے" [4]

ساتواں اصول: بدگمانی

يا ايّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجتَنِبُوا كَثيرا مِن الظَّنِّ إنَّ بَعضَ الظَّنِّ إثْمٌ وَ لاتَجَسَّسُوا

۱۔ سورہ حج، ۳۰

۲۔ مستدرک الوسائل، میرزا حسین نوری، کتاب حج، باب ۱۳۰

۳۔ الحجرات ۱۲

۴۔ ابوداؤد، ح ۴۸۸۰

اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو، بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے)۔[1]

خاندانی تنازعات کے حل میں حکم کا کردار

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام زندگی کے ہر پہلو کے متعلق رہنمائی کرتا ہے۔ یہ دین اسلام کی امتیازی صفت ہے۔ ضابطۂ حیات میں عقائد، عبادات، خاندانی و معاشرتی نظام، معاشی، سیاسی وعدالتی نظام شامل ہیں۔ یہ سب باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ایک پہلو کے متاثر ہونے سے ایک مسلمان کی پوری زندگی متاثر ہو سکتی ہے۔ دور حاضر میں مسلمان معاشرے سے عام طور پر میاں بیوی اور ساس بہو کے حوالے سے۔ ان کی سنگینی کئی اعتبار سے ہے۔ یہ جھگڑے خاندان کے افراد کا ذہنی سکون برباد کر دیتے ہیں۔ جس تنازعات کے نتائج زندگی کے بہت سے معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں، بچوں پر مضر نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ اثرات تازِیست ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

ایسے جھگڑوں کے نتیجے میں خاندان جدا ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو اکثر واقعات غصہ، یا وقتی رنجش کی بنا پر پیش آتے ہیں طلاق کی وجہ سے میاں بیوی میں علیحدگی ہوتی ہے تو نہ صرف متعلقہ شخص کی زندگی متاثر ہوتی ہے بلکہ معاشرہ کا ایک بڑا حصہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ لہذا ان دو افراد کے درمیان قرآنی خاندانی زندگی تب ہو گی جب ان کے درمیان صلح کریں فرمان اِلٰہی ہے:

وَ إِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔[2]

اور اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کر لو، اگر وہ دونوں صلح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کر دے گا، اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔[3]

۱۔ الحجرات، ۹۴

۲ ۔ النساء، ۳۵

۳۔ النساء ۳۵

بحث کا ماحصل و نتیجہ

انسان کے لیے خاندانی زندگی بہت اہمیت کی حامل ہے اگر گھر میں سکھ چین ہے تو گھر اور زندگی جنت سی ہو جاتی ہے، اور اگر گھر میں سکون نہیں تو سب کچھ ہو کے بھی زندگی کا مزا نہیں آتا۔ خاندانی جھگڑوں کے اسباب تو ان گنت ہیں، مگر اصل سبب یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی فریق اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی کی بنیاد پر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگوں کی تحقیر، مذاق اڑانا، بدگمانی، تجسس، غیبت، چغل خوری اور بہتان تراشی جیسے عیوب عام ہیں۔ یہ عادتیں برائیاں سمجھی ہی نہیں جاتیں۔ مرد ہوں یا خواتین باہمی گفتگو کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر گفتگو انہی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ برائیاں دلوں میں نفرت اور نااتفاقی کا بیج بوتی ہیں۔ لوگوں میں جدائی ڈلواتی اور خاندانوں کو تباہ کرتی ہیں۔ اگر قرآنی اسلوب زندگی کے اصولوں جن میں اہم عقیدہ توحید، تقوی، عدل، ایثار، محبت والفت ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں تو زندگی ایک خوشگور خاندانی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔